

رسائل و مسائل

ایک تفسیری سوال

سوال: تفہیم القرآن جلد اول صفحہ ۵۵۲، سورۃ النعام آیت ۴، کا تفسیری نوٹ نمبر ۵۰ یہ ہے:

”یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کا ذکر اس امر کی تائید اور شہادت میں پیش کیا جا رہا ہے کہ جس طرح اللہ کی بخشی ہوئی ہدایت سے آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے شرک کا انکار کیا ہے اور سب مصنوعی خداؤں سے منہ موڑ کر صرف ایک مالک کائنات کے آگے سمر اعلیٰ غم کر دیا ہے، اسی طرح کل یہی کچھ ابراہیم علیہ السلام بھی کر چکے ہیں۔“

اس اقتباس کا واضح مطلب یہ ہے کہ سلسلہ کلام، وحی سے نوازے جانے کے بعد دعوت اور محاذیہ قوم سے متعلق ہے۔ نبوت سے پہلے کے دورِ فکر کا بیان مقصود نہیں ہے جیسا کہ ”اللہ کی بخشی ہوئی ہدایت“ کے الفاظ بتاتے ہیں۔ پھر آیت میں دعوتِ ابراہیمی کا ذکر ہے جو ظاہر ہے نبوت کے بعد دی گئی ہے۔ کوئی تیز دوزِ فکر کا موجود نہیں ہے۔ اور پھر آیت ۵، کے نوٹ نمبر ۵۲ کے آخر کے جملے بتاتے ہیں کہ نبوت کے بعد تبلیغ کا حال بیان ہو رہا ہے، یعنی حضرت ابراہیمؑ کو صید کی جو دعوت لے کر اٹھے تھے ”والا جملہ۔“ پھر آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے سلسلہ میں اپنی کتابوں میں کسی جگہ فرمایا ہے کہ اسی طرح دوسرے انبیاء کو بھی نظام

کائنات کا مشاہدہ کرایا گیا اور نبوت میں حضرت ابراہیم کی معراج کے لیے یہی آیت نبرہ پیش کی ہے اور معلوم ہے کہ معراج نبوت کے بعد ہوتی ہے، نبوت سے پہلے نظام کائنات کا مشاہدہ کرنے کے لیے ”خدائی انتظام“ نہیں ہو سکتا۔ اب اس کے بعد آئی ہے آیت ۶، جو ”ف“ سے شروع ہوتی ہے۔ اسے بھی آپ نے دَورِ تفکر سے متعلق قرار دیا ہے۔ میں نے بہت سوچا کہ یہ آیت دَورِ تفکر سے متعلق کس طرح ہو سکتی ہے مگر سمجھ میں نہ آیا۔ براہِ کرم اس خلیجان کو دُور فرمائیے۔ نیز ”لَبِئْسَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ“ جملہ معلقہ ہے جس پر ”واؤ“ آیا ہے۔ لازم ہے کہ اس کا معطوف علیہ بھی جملہ معلقہ ہو، اور آپ نے جو ترجمہ فرمایا ہے اس سے بات کسی دوسری طرف نکل جاتی ہے۔ کذا لک میں خالک کا مشاڑ الیہ کیا ہے؟ لازم ہے کہ اوپر اس کا ذکر اچکا ہو۔“

جواب۔ آپ نے سورہ انعام کے جس مقام کے متعلق استفسار فرمایا ہے، یہ قرآن کے مشکل ترین مقامات میں سے ایک ہے۔ اس کے اشکالات کو رفع کرنے کے لیے مفسرین نے جو صورتیں اختیار کی ہیں وہ اس سے بہت زیادہ الجھنیں پیدا کرنے والی ہیں جو آپ نے میری اختیار کردہ صورت میں محسوس فرمائی ہیں میں نے اپنی حد تک زیادہ سے زیادہ اس مقام کو صاف کرنے کی جو کوشش کی ہے، اگرچہ وہ بھی الجھنوں سے بالکل خالی نہیں ہے گو میرا خیال ہے کہ اس میں کم سے کم ممکن الجھنیں ہیں اور ایسی نہیں ہیں جو رفع نہ ہو سکیں۔

اصل سوال یہ ہے کہ آیا یہ قصہ نبوت سے پہلے کا ہے یا بعد کا۔ اگر پہلے کا ہے تو تین سوالات سامنے آتے ہیں، کیا رات کا طاری ہونا، تارے کا طلوع ہونا، پھر چاند کا برآمد ہونا، اور پھر سورج کا نکل آنا، پہلی مرتبہ اسی روز حضرت ابراہیم کے سامنے واقع ہوا؟ اس سے پہلے کبھی اس کی نوبت نہ آئی تھی؟ تارے، چاند اور سورج کو باری باری دیکھ کر ہذا دبی کہنا کیا شرک نہیں ہے؟ اگرچہ ہر ایک کے زوال کے بعد اس کی رُبوبیت سے اپنے انکار فرمادیا، مگر کچھ وقت تو

ایسا گزرا جس میں یہ حالتِ شرک معاذ اللہ آپ پر طاری رہی (۳) کیا مختلف چیزوں کو رب قرار دینے اور ان کا انکار کرتے ہوئے آخر کار فاطر السموات والارض کے رب و احد ہونے تک پہنچنے میں کھلا ہوا ارتقا نہیں پایا جاتا؟ بالفاظِ دیگر کیا اس سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ ایک شخص شرک کی درمیانی منازل سے گزرتا ہوا توحید کی منزل پر پہنچا ہے، اور وہاں پہنچ جانے کے بعد اس نے قوم کے سامنے شرک سے برادرت کا اعلان کیا ہے؟

اور اگر یہ قصہ نبوت کے بعد کا ہے تو اوپر کے تینوں سوالات اور بھی زیادہ شدت کے ساتھ طرک ہو جاتے ہیں اور مزید سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر صورتِ اقصیٰ کیا؟ کیا واقعہ اس طرح پیش آیا تھا کہ ایک روز رات شروع ہونے سے لیکر دوسرے روز سورج کے غروب ہونے تک پورا معاملہ تنہائی میں پیش آتا رہا اور پھر آپ نے باہر نکل کر قوم کے سامنے شرک سے برادرت اور فاطر السموات والارض کی طرف رخ کر لینے کا اعلان فرمایا؟ یا یہ کوئی مناظرہ تھا جس میں حضرت ابراہیم اور ان کی قوم کے لوگ ایک شب روز مسلسل مشغول رہے۔ مغرب کے بعد مناظرہ شروع ہوا۔ تارے کو دیکھ کر حضرت ابراہیم نے قوم کے سامنے کہا یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ ڈوب گیا تو انہوں نے کہا میں ڈوبنے والوں کو تو پسند نہیں کرتا۔ پھر چاند نکلا اور انہوں نے کہا یہ میرا رب ہے۔ پھر اس کے غروب ہونے تک قوم بیٹھی رہی اور جب وہ غروب ہو گیا تو حضرت ابراہیم نے فرمایا، "اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ کی ہوتی تو میں بھی گمراہوں میں سے ہوتا۔" پھر سورج نکلا اور حضرت ابراہیم نے اعلان کیا کہ یہ میرا رب ہے کیونکہ یہ ان سب سے بڑا ہے۔ پھر ساری قوم دن بھر بیٹھی رہی یہاں تک کہ مغرب کا وقت آ گیا، اور چوٹی کہ سورج غروب ہوا، حضرت ابراہیم کے اس اعلان پر مناظرہ کا خاتمہ ہو گیا کہ "اے قوم، میں تمہارے شرک سے بری ہوں۔" ان دونوں میں سے جو صورت بھی آپ اختیار کریں، اس کے اشکالات اتنے ظاہر ہیں کہ بیان کی حاجت نہیں۔

ان مشکلات کو نگاہ میں رکھ کر میری ان تشریحات کو جو میں نے آیات ۴ تا ۸ کے حوالے میں کی ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔ میرے نزدیک ترتیبِ کلام یہ ہے کہ عقیدہ شرک کے خلاف اور توحید

کے حق میں جو تعلیم نرسلی اللہ علیہ وسلم کفار کے سامنے پیش فرماتا ہے تھے اس کی تائید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں آیت ۴۷، ۴۸ کی پیغمبرانہ زندگی کی دعوت کے بیان پر مشتمل ہے پھر آیت ۴۹ تا ۵۷، اور آیت ۵۸ کا ابتدائی حصہ نبوت سے قبل کے تفکر کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ اور قالَ يَا قَوْمِ اِنِّي بُرِيءٌ مِّنْكُمْ فَارْتَدُّوا عَلٰى اٰمَانِكُمْ فَتَحْمِلُوْا سَوْءَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تک پھر دعوتِ نبوت کا بیان ہے۔ بیچ میں قبل نبوت کے تفکر کا ذکر میرے نزدیک جس غرض کے لیے کیا گیا ہے وہ میں نے حاشیہ نمبر ۱۵ اور ۵۳ میں بیان کر دی ہے۔

معراج کے سلسلہ میں اس قصے کا حوالہ دینے سے بلاشبہ وہ الجھن پیش آتی ہے جس کا اپنے ذکر کیا ہے لیکن قرآن مجید کے اس مقام کی مشکلات کو حل کرتے وقت اگر آپ اپنے ذہن کو ایک ضمنی بحث کے اشارت سے خالی کر لیں تو زیادہ بہتر ہے۔ ضمنی بحثوں میں جو اشارات کہیں آتے ہیں وہ سرسری نوعیت کے ہوتے ہیں۔ اُس وقت لکھنے والے کا ذہن اُس خاص موضوع پر مرکوز ہوتا ہے جس کے متعلق وہ بحث کر رہا ہوتا ہے، اور دوسرے امور سے اپنی بحث میں وہ سرسری طور پر تعرض کرتا ہے۔ یہ تعرض دراصل کسی تحقیقی بحث کی نوعیت کا نہیں ہوتا کسی مسئلے پر تحقیقی بحث کرتے وقت آدمی کے سامنے جو گوشے آتے ہیں وہ سرسری تعرض کے وقت سامنے نہیں ہوتے۔

وَيَكُوْنُ مِنَ الْمُتَوَقِّئِيْنَ كَـٔوْا۟رِثَةِ اٰبِیْكَ يٰۤاِسْحٰقُ لَئِنْ لَمْ يَنْزَلْ عَلٰیكَ الْوَحْيُ لَكَ لَمَجَدُّوْنَ اِلٰهًا مَّا يَشْكُرُوْنَ
چاہیے، صحیح نہیں ہے۔ قرآن میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جملہ معطلہ عطف کے ساتھ آتا ہے
كُلُّ مَعْطُوْفٍ عَلٰی جُمْلَةٍ مَعْلَمَةٌ مِنْهَا وَتِلْكَ الْاٰیٰتُ مُدَاوِمٰتٌ بَيْنَ النَّاسِ وَيَعْلَمُهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعِجِبْتَ
مَنْكُمُ شُهَدَآءُ اَلْاٰرَآلِ عَمْرٰنَ ۱۳-۱۴-۱۱-۱۱- قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ مَّا لَدُوْنَا لَمَلَكْنَا لَبَدُوْدَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلٰیهِمُ الْقَتْلُ اِلٰی مَضٰجِعِهِمْ
وَيَسْتَلِیْ اللّٰهُ مَا فِيْ صُورِكُمْ وَيُخَوِّصُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ (آل عمران - ۱۵)

كذٰلِكَ كَمَا مَشَارَ الْبِيَا وَرِكْمِيْنَ نَدُوْرِيْنَ نَهِيْنَ هِيْ- وَهِيْ مَنظَرِيْنَ بَايَا جَا تَا هِيْ جِسْ كِيْ طَرَفِيْنَ حَاشِيَا ۱۵ مِيْنَ
اشارہ کیا ہے۔ اس طرح کذالک کے استعمال کی مثالیں بھی قرآن میں بکثرت ملتی ہیں۔ آپ وہ سب آیات جمع کریں جن
میں کذالک استعمال ہوا ہے، آپ دیکھیں گے کہ اکثر کما مشاّر اللیغ غیر مذکور ہے اور اس نظر ماحول میں تلاش کرنا چڑتا
ہے۔ بلکہ بعض مقامات پر نذر کذالک ہی سے کلام کا آغاز کیا گیا ہے، مثلاً سورہ شوریٰ کی پہلی آیت میں۔